ڈاکٹر ظہور احمد اظہر

حدیث نبویؐ کا بلاغی اعجاز

جس طرح سفر پر روانہ ہونے سے پہلے مسافر کے لئے منزل کا تعین اور راستے کے نشیب وفراز سے آگاہ ہونا اور راہ منزل کے خط وخال اور معالم ونشانات جاننا بھی سہولت وافادیت کا باعث ہوتا ہے اسی طرح کسی موضوع پر گفتگو کا آغاز کرنے سے قبل اس کی تعریف وتحدید اور اس کے لوازمات وملابسات سے آگاہی بھی بے حد مفید وکار آمد ہوتی ہے ' اس اصول پر ہم بھی کار بند ہوں گے' اس وقت ہماری گفتگو کا موضوع حدیث نبویؐ کا بلاغی اعجاز ہے' ہمارا یہ موضوع جہاں بے پایاں وسعتوں کا حامل نظر آتا ہے وہاں یہ انتہائی لطافت ونزاکت اور عمق وگہرائی کا حامل ایک فنی یا ٹیکنیکل موضوع بھی ہے' اس لئے ہماری اولین ضرورت یہ ہے کہ اس کی تعریف وتحدید کا مرحلہ طے کر لیا جائے تاکہ اس کی بے پایاں وسعتوں کو سمیٹنا اور فنی لطافتوں اور گہرائیوں کا ادراک آسان ہو سکے۔

اہل علم نے فن اصول حدیث میں واضح کیا ہے کہ حدیث نبویؐ سے مراد حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ہیں ' جو تین اقسام پر مشتمل ہوتے ہیں قولی' فعلی اور تقریری' دوسرے لفظوں میں جو بات آپؐ نے اپنی زبان مبارک سے ارشاد فرمائی وہ قولی حدیث ہے ۔ آپؐ نے جو عمل فرمایا وہ فعلی حدیث ہے اور اگر آپؐ کی موجودگی میں کوئی کام انجام پایا اور آپ نے اسے استحسان کی نظر سے دیکھا یا سکوت اختیار فرمایا تو یہ تقریری حدیث ہو گی(۱) ۔ ظاہر ہے حدیث کی دوسری اور تیسری قسم ہماری اس گفتگو کے موضوع سے خارج ہے' صرف پہلی قسم یعنی قولی حدیث 'جو صحیح ثابت ہو چکی ہو' زیر بحث لائی جاسکتی ہے۔

تاہم قولی حدیث کو زیر بحث لانے میں بھی چند دشواریاں ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ قولی حدیث کا بلاشک وشبہ صحیح ثابت ہونا ضروری ہے۔ ہمیں یہ معلوم ہونا چاہئے کہ جس قولی حدیث کے بلاغی اعجاز سے ہم بحث کر رہے ہیں اس کے الفاظ واقعی بہ تمام وکمال رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یقیناً اسی طرح ادا ہوئے جس طرح منقول ہو کر ہم تک

پہنچے ہیں' روایت حدیث کے ضمن میں کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی احتیاط کا پہلو سب کو معلوم ہے(۲)۔ ہمارے ان پاکیزہ نفس اسلاف نے قرآن کریم کو محور ومرکز دین کی حیثیت سے پوری حفاظت کے ساتھ آنے والی نسلوں تک پہنچانے کے لئے یہ ضروری خیال فرمایا کہ کتاب اللہ جیسی اہمیت و توجہ کسی اور چیز پر نہ دی جائے' اس میں شک نہیں کہ قرآن کریم کی حفاظت کے ضمن میں ہمارے اسلاف نے احتیاط واہتمام کی جو روش اختیار فرمائی وہ بے نظیر و بے مثال ہے لیکن ارشادات نبویؐ کو نرز جاں بنانے میں بھی اکثر بزرگوں نے کافی اہتمام کیا'چنانچہ جہاں کتاب اللہ کے متعلق حکم ربانی تھاکہ :۔(۳)

" فمن بدلہ بعد ماسمعہ فانمااثمہ علی الذین یبدلونہ " (سوجس نے اسے سننے کے بعد بدل ڈالا تو پھراس کا گناہ انہی لوگوں کے سرہوگا جو اسے بدلتے ہیں) ۔

وہاں حدیث نبویؐ کے متعلق حذر واحتیاط کو لازم ٹھہرانے اور افترا پردازی کی روش اختیار کرنے والوں کے لئے بھی خود زبان نبوتؐ سے شدید وعید آئی ہے کہ (۴)

" من کذب علی متعمدا فلیتبوا مقعدہ من النار" (جس نے جان بوجھ کر میری طرف کسی بات کی جھوٹی نسبت کی تو اسے اپنا ٹھکانہ جہنم بنانا چاہئے)

مگر کتاب اللہ کی حفاظت اور حدیث رسولؐ اللہ کی حفاظت میں بڑا فرق ہے' ایک تو یہ ہے کہ آیات کلام اللہ نازل ہوتے ہی ایک طرف تو نبوت کے قلب اطہر پر سنقرئک فلاتنسی (تجھے قرآن ایسا پڑھائیں گے کہ تو اسے بھولے گا ہی نہیں) (۵) کے رنگ میں نقش ہو جاتی تھیں' تو دوسری طرف"فی صدور الذین اوتوالعلم" (ان لوگوں کے سینوں میں محفوظ ہو گا جنہیں علم دیا گیا ہے)(۶) کے حکم ربانی کے مطابق حفاظ صحابہ کرامؓ کے سینوں میں بھی یہ محفوظ ہو جاتی تھیں۔ اس کے ساتھ ہی کاتبان وحی ان آیات بینات کو سپرد قلم فرما دیتے تھے(۷) اور سب سے بڑھ کر یہ کہ " انا نحن نزل الذکر وانا لہ لحافظون(۸)" کا تاکیدی عہد ربانی بھی ہے' لیکن حدیث نبوی کے اہتمام کے ضمن میں ایسی کوئی بات نہیں آئی!

اس سلسلے میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ جہاں آیات بینات کی قرائت بالمعنی گستاخی' تحریف اور کفر قرار دی گئی ہے وہاں احادیث کے ضمن میں علماء نے حدیث نبوی کی روایت بالمعنی کی بھی اجازت دی ہے(۹) لہٰذا یہاں حدیث نبوی سے ہماری مراد حضور اکرمؐ کے وہ ارشادات ہیں جو قولی

حدیث کہلاتے ہیں اور مسلم طرق روایت کے مطابق واضح صحت کے ساتھ ہم تک پہنچے ہیں۔

عنوان کا دوسرا حصہ " بلاغی اعجاز" ہے' اس لئے بلاغت اور اعجاز کا مفہوم بھی واضح طور پر ذہن نشین ہونا چاہئے' اکثم بن صیفی' جو حضور اکرمؐ کا معاصر تھا مگر اعلان نبوت سے قبل ہی فوت ہو گیا تھا' ایک فصیح و بلیغ خطیب تھا اور لوگ اسے حکیم العرب (عربوں کا دانا وعاقل) کہتے تھے' بلاغت کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے!(۱۰)

" دنو الماخذ وقرع الحجتہ وقلیل من کثیر" (یعنی لفظ و معنی کا ماخذ آسان اور ذہنوں کے قریب تر ہو' اسلوب دلائل انتہائی موثر و لاجواب ہوں اور بہت سے الفاظ کی محتاج بات کو کم سے کم لفظوں میں بیان کرنا بلاغت ہے)۔

مشہور امام ادب عربی الاصمعی کا قول ہے کہ(۱۱) "البلیغ من طبق المفصل واغناک عن المفسر" فصیح وبلیغ وہ شخص ہوتا ہے جو بات کو کھول کر پیش کرے اور کسی تفسیر یا وضاحت سے بے نیاز کردے)۔

جاحظ نے البیان والتبیین میں مختلف اقوام کے ہاں بلاغت کے مفہوم کے متعلق اقوال نقل کئے ہیں(۱۲) چنانچہ اہل فارس کے نزدیک "البلاغتہ ھی معرفتہ الفصل من الوصل" یعنی فصل اور وصل کے مواقع سے آگاہی کا نام بلاغت ہے' یونانیوں کے نزدیک" تصحیح الاقسام واختیار الکلام" (بیان کی تقسیم درست ہو اور بات سچی تلی ہو) کا نام بلاغت ہے' رومیوں کا خیال یہ ہے کہ "حسن الاقتضاب عند البداھتہ والغزارۃ یوم الاطالتہ" (فی البدیہ بولنا پڑے تو حسن اختصار سے کام لینا آتا ہو اور بات کو طول دینے کا موقع ہو تو ذہنی زرخیزی میسر ہو) کا نام بلاغت ہے' قدیم اہل ہند کی رائے میں "وضوح الدلالتہ وانتہاز الفرصتہ وحسن الاشارۃ" (استدلال واضح ہو' موقع شناسی کا ملکہ حاصل ہو اور حسن اشارہ سے کام لینا آتا ہو) تو بلاغت ہے' مشہور عرب خطیب امام معتزلہ عمرو بن عبید نے بلاغت کی تعریف یوں کی ہے :(۱۳)۔

"تخیر اللفظ فی حسن الافہام وتقد یر حجتہ اللہ فی عقول المکلفین وتخفیف المئونتہ علی المستمعین وتزیین تلک المعانی فی قلوب الموید ین بالالفاظ المستحسنتہ فی الاذان' المقبولتہ عند الاذھان رغبتہ فی سرعتہ استجابتہم ونفی الشواغل عن قلوبہم بالموعظتہ الحسنتہ علی الکتاب والسنتہ" (یعنی حسن تفہیم کے لئے چنے ہوئے لفظ لانا' مکلف بندوں کی عقلوں میں اللہ

تعالیٰ کی حجت کو راسخ کرنا' سننے والوں کی ذمہ داری کو کم کرنا' ارادت مندوں کے دلوں میں ان معانی کو سجانا' ایسے الفاظ سے جو قوت سامعہ کو بھلے لگیں اور ذہنوں کو قبول ہوں' جن سے کتاب وسنت کی اساس پر موعظہ حسنہ کے ذریعہ انہیں جلد سے جلد آمادہ کرنے اور ان کے دلوں سے مشغول رکھنے والی باتوں کو نابود کرنا مقصود ہو)۔

گویا جس بات کا سرچشمہ دل کی گہرائی ہو' وہ دماغ سے خوبصورتی کے ساتھ ڈھل کر نکلے' زبان سے سنور کر ادا ہو' اور کانوں میں شیرینی اور رس گھولتے ہوئے دلوں میں اتر جائے' وہی بات بلیغ ہے!

اعجاز کے معنی ہیں عاجز کر دینا' بے بس بنا دینا' اسی سے معجزہ مشتق ہے جو عاجز کر دینے والا ہوتا ہے' کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا(۱۴)۔ اللہ تعالیٰ کے نبی اور رسول معجزات سے نوازے جاتے تھے تاکہ ان کے مخاطبین پر یہ بات واضح ہو کہ وہ بشر ہوتے ہوئے بھی عام بشر کی طرح نہیں ہوتے۔ ان کا اللہ رب العزت سے خاص تعلق ہوتا ہے جو عام بشر کو عطا نہیں ہوتا۔ یہی تعلق وحی من اللہ' منصب رسالت ونبوت پر فائز ہونے اور اللہ تعالیٰ کا پیغام حق انسانیت تک پہنچانے سے عبارت ہے (۱۵)۔ لیکن یہ تعلق کوئی معمولی تعلق نہیں ہوتا' اسی لئے اس خصوصی تعلق کے مظہر اور علامت کے طور پر انبیائے کرامؑ کو معجزات عطا ہوئے ہیں لیکن ان سب معجزات کا معجزہ اللہ تعالیٰ سے تعلق ہے' یہی سب سے اہم' بنیادی اور امتیازی بات ہے' اسی لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل دائمی اور زندہ جاوید معجزہ اسی تعلق سے عبارت ہے یعنی جو وحی ربانی آپ پر نازل ہوئی اسی کا ثمر کتاب اللہ بہ تمام وکمال ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو کر پیغمبر اسلامؐ کا دائمی معجزہ قرار پائی ہے۔

تو موضوع کے حدود ومعالم کا تعین اس طرح ہوا کہ حدیث نبویؐ کی وہ قسم جسے قولی حدیث کہتے ہیں اس میں سے جو چیز صحت کے ساتھ ثابت ہو جائے وہ معجزہ ہے اور وہی ہمارا موضوع ہے' اور یہی ارشادات نبویؐ اپنی فصاحت وبلاغت کے لحاظ سے معجزہ ہیں۔

موضوع کے تعین کے بعد اب ہم ایک قدم اور آگے بڑھتے ہیں اور سب سے پہلے یہ دیکھتے ہیں کہ بلاغت نبوی کس طرح ایک معجزہ ہے' ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے جب آنحضرتؐ کے اخلاق حسنہ اور سیرت طیبہ کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا تھا

کہ کان خلقہ القران (۱۶)۔ یہ قول بھی اعجاز نبویؐ کا ترجمان ہے' گویا قرآن کریم جو نظریاتی تعلیم ہے اس کی عملی تفسیر پیغمبرؐ کی ذات اور آپ کی سنت ہے۔ قرآن کریم کے احکام پر صحیح عمل اور آیات بینات کی عملی تصویر و تفسیر آنحضرتؐ کی ذات ہے۔ اس عملی تصویر اور تفسیر کا ایک پہلو آپ کی فصیح و بلیغ گفتگو کا اقتباسات ' کلمات اور محاورات قرآنی سے مزین ہونا بھی ہے۔ چنانچہ آپ کے کلام معجز نظام میں جو "وما ینطق عن الھوی ان ھوالا وحی یوحی" (۱۷) کی ضمانت الٰہی سے مشرف تھا اپنے اندر قرآنی رنگ کی بیشمار اور بکثرت جھلکیاں رکھتا تھا۔ آج تک کسی کا ایسا کلام اور ایسی گفتگو دیکھنے میں نہیں آئی جس میں قرآنی اقتباسات ' کلمات و محاورات اتنی کثرت اور وافر مقدار میں پائے جائیں جس قدر کہ ان سے کلام نبوت مزین ہوتا تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ یہ بھی فرماتی ہیں(۱۸) کہ "ماکان رسول اللہ یسرد کسردکم ھذا ولکن کان یتکلم بکلام بین فصل یحفظہ من جلس الیہ' وکان رسول اللہ یحدث حدیثالوعدہ العاد لاحصاہ" یعنی رسول اللہ لگاتار تیز تیز نہیں بولے جاتے تھے۔

جس طرح تم لوگ لگاتار تیز تیز بول کر بات کو خلط ملط کر دیا کرتے ہو' بلکہ آپ تو واضح الگ الگ نکھرے ہوئے انداز میں بات کرتے تھے۔ آپ کے پاس بیٹھنے والے آپ کی باتوں کو حفظ کر لیا کرتے تھے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بات کرتے تھے تو اگر کوئی شمار کرنے والا آپ کے حروف والفاظ گننا چاہتا تو گن سکتا تھا۔

ام المومنین رضی اللہ تعالی کے ان اقوال سے چار ایسی باتیں واضح ہوتی ہیں جو فصحاء و بلغاء کو کم ہی نصیب ہوئی ہیں!

۱۔ آپ کی گفتگو میں کوئی الجھاؤ ' ابہام یا بے اعتدالی نہیں ہوتی تھی۔

۲۔ بلکہ یہ گفتگو نہایت واضح ' الگ الگ نکھرے ہوئے انداز اور عام فہم قسم کی ہوتی تھی۔

۳۔ اس گفتگو کا ذہن نشین کرنا' بلکہ دل میں اتارنا آسان ہوتا تھا اور نبی کی شان بھی یہی ہے کہ اس کی بات ذہن نشین ہو کر دل میں اتر جائے تاکہ اثرات ونتائج کا مظاہرہ ہو۔

۴۔ آپ ہمیشہ ٹھہر ٹھہر کر بات کرتے تھے تاکہ آپ کی گفتگو سے سب کو فائدہ ہو اور ہر خاص وعام اس سے مستفیض ہو سکے۔

حضرت ہند بن ابی ہالہ قریش کے وصاف الحلیہ مشہور تھے' عربوں کے قدیم فنون ومعارف

میں سے قیافہ اور فراست کی طرح وصف حلیہ بھی ایک کمال کا فن متصور ہوتا تھا۔ جس طرح آج کوئی وصف نگار کسی چیز یا شخصیت کی قلمی تصویر (پین پکچر) پیش کرنے میں مہارت کے باعث ہنر مند وصاحب کمال متصور ہوتا ہے اسی طرح قدیم عرب کے وصاف الحلیہ کسی چیز یا شخصیت کی لفظی تصویر پیش کر کے ہنر مند اور صاحب کمال تسلیم کئے جاتے تھے(۱۹)۔ پھر یہ لفظی تصویر انسانوں کے حافظہ میں منتقل ہوتی رہتی تھی اور سننے والے اس چیز یا شخصیت کو اپنے سامنے اسی طرح مجسم پاتے تھے جس طرح آج کوئی مصور یا کیمرہ والا کسی چیز یا شخصیت کو ہمارے سامنے ہو بہو محفوظ کر کے پیش کر دیتا ہے۔ حضرت ہند بن ابی ہالہ بھی اس فن میں کامل بلکہ یکتائے روزگار تھے اور قریش کے ہاں مسلم ومشہور وصاف الحلیہ تھے(۲۰)۔

سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ ان سے یہ لفظی تصویر یا قلمی سراپا سننا چاہتے تھے تاکہ یہ سراپا اور یہ تصویر لفظی ان کے حافظہ میں ہمیشہ کے لئے یوں محفوظ ہو جائے جس طرح فریم میں تصویر لگا کر محفوظ کر دی جاتی ہے۔ حضرت ہند نے آپ کا حلیہ بیان کرتے ہوئے جو لفظی تصویر پیش کی ہے وہ کسی عام آدمی یا معمولی بشری شخصیت کا سراپا نہیں ہے بلکہ یہ بھی ایک مافوق البشر کا سراپا لگتا ہے جس کے اعضاء و جوارح بڑے اہتمام سے کسی خاص مقصد کے لئے تخلیق فرمائے گئے ہوں' سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کی جو اخلاقی تصویر پیش کی ہے اگر وہ معجزہ اخلاق ہے تو حضرت ہند کا یہ بیان کردہ لفظی سراپا معجزہ تخلیق متحقق ہوتا ہے۔ اس طرح آپ خلق وخلقت دونوں لحاظ سے اپنے خالق ومرسل کا اعجاز ہیں اس لئے "فاق النبیین خلقا" خلقا"'' والی شاعرانہ ترکیب لفظی حقیقت کی ترجمان ہے(۲۱)۔ لیکن یہاں پر اس تصویر لفظی کا صرف وہی حصہ سامنے رکھنا مقصود ہے جس کا تعلق آپ کے نطق وکلام اور فصاحت وبلاغت سے ہے' وہ فرماتے ہیں(۲۲)!

" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر وبیشتر غموں سے درد مند اور غور وفکر میں محو رہتے تھے۔ آپ آرام وراحت سے کم آشنا تھے بلا ضرورت کبھی نہیں بولتے تھے' زیادہ تر خاموش رہتے تھے ۔ گفتگو کرتے ہوئے پورا منہ کھولتے تھے' آپ کے کلام کے الفاظ جامع ومختصر ہوتے تھے' جب بولتے واضح انداز میں کسی کمی یا فالتو الفاظ کے بغیر بولتے ۔ نرم مزاج و خوش اخلاق تھے ' آپ نہ تو تندخو و درشت طبع تھے اور نہ عاجز وکمزور ۔ ہمیشہ پورے ہاتھ سے اشارہ کرتے ' تعجب ہوتا تو اپنا

ہاتھ الٹ دیتے ۔ بات کرتے تو اپنے ہاتھوں کو قریب کرکے دائیں ہاتھ کا انگوٹھا بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر مار دیتے ۔ خفگی یا ناپسندیدگی کے اظہار کے طور پر منہ موڑ لیتے ' خوشی میں نگاہیں جھکا لیتے۔ آپ کی پوری ہنسی صرف مسکراہٹ ہی ہوتی تھی' جب مسکراتے تو موتیوں جیسے دانت یوں چمکتے دکھائی دیتے جیسے بادل میں سے ٹھنڈے ٹھنڈے چمکتے ہوئے اولے دکھائی دے رہے ہوں !"

یہ لفظی تصویر کسی غیر معمولی بلکہ مافوق البشر شخصیت کی تصویر ہے' گفتگو کے یہ انداز اور لب ولہجے کے یہ اطوار کسی سحر انگیز کشش اور جاذبیت کے ترجمان ہیں جو دیکھنے سننے والوں کو اپنی طرف کھینچتی اور دلوں پر غالب آتی دکھائی دیتی ہے ۔

آپ کو معلوم ہے کہ سفر ہجرت کے دوران میں عرب کی ایک خانہ بدوش صحرائی خاتون کو داعی حق صلی اللہ علیہ وسلم کی میزبانی کا شرف حاصل ہوا تھا' اور جو تاریخ میں ام معبد کے نام سے زندہ جاوید ہوگئیں ۔ وہ جب اپنے اس عظیم الشرف اور جلیل القدر مہمان کا سراپا بیان کرتی تھیں تو ایک فصیح وبلیغ بدوی خاتون کے انداز میں آپ کے طرز تکلم وگویائی کے متعلق فرمایا کرتی تھیں (۲۳)! حلوالمنطق فصل لانزرولا هذر كان منطقه خرزات نظمن ' وكان جهر الصوت حسن النغمته" یعنی آپ شیریں گفتار تھے' بات نہایت واضح ہوتی 'وہ نہ قلیل الکلام تھے نہ فضول الکلام' آپ کاکلام معجز نظام تو موتی تھے جو لڑی میں پرو دئے گئے ہوں ' بلند اور گرجدار آواز تھی مگر خوبصورت نغمگی میں ڈوبی ہوئی ۔"

سیرت طیبہ پر قلم اٹھانے والے قدیم وجدید اہل علم ودانش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت وبلاغت کے معجزانہ اسلوب پر گفتگو فرمائی ہے ۔ ان بزرگوں میں سے ابو عثمان عمرو بن بحر الجاحظ' امام ابوالحسن الماوردی' حجتہ الاسلام امام ابو حامد الغزالی' قاضی عیاض الیحصبی' عطاء' عطیہ ابراشی اور مصطفیٰ صادق الرافعی کی باتیں بڑی خوبصورت ہیں اور خصوصی توجہ کی دعوت دیتی ہیں' مگر یہاں ہم اختصار کے پیش نظر صرف تین اقتباسات پر اکتفا کریں گے' ابو عثمان لکھتا ہے(۲۴)!

" آپ کا کلام معجز نظام ایسا تھا کہ جس کے حروف کی تعداد کم مگر معانی کی مقدار زیادہ ہوتی تھی۔ یہ تصنع وآورد سے بالکل پاک اور تکلف سے منزہ و بالاتر ہوتا تھا۔ تفصیل کے موقع پر تفصیل اور اجمال کے موقع پر اجمال ہی ہوتا تھا ۔ آپ کی گفتگو بے قاعدہ' نامانوس اور وحشی الفاظ سے خالی اور عامیانہ الفاظ سے پاک ہوتی تھی ۔ کلمات تھے جو سرمایہ حکمت سے لبریز ' اغلاط اور

خامیوں سے مبرا ہوتے تھے' آپ کے کلام کو غیبی تائید وتوفیق الٰہی حاصل تھی۔ کسی نے آپ کے کلام سے زیادہ مفید ' سچا' مناسب وموزوں ' خوش اسلوب ' عمدہ معنی ' اثر انگیز ودلنشیں آسان وزود فہم اور اپنے مقصد و مدعا کو وضاحت کے ساتھ کھول کر بیان کرنے والا نہیں پایا"

صاحب الشفاء قاضی عیاض ایحصبی کا قول یہ ہے کہ (۲۵)!

" واما فصاحۃ اللسان وبلاغۃ القول فقد کان صلی اللہ علیہ وسلم من ذٰلک بالمحل الافضل والموضع الذی لایجہل۔ سلاسۃ طبع وبراعۃ منزع وایجاز مقطع وفصاحۃ لفظ وجزالۃ قول وصحۃ معان وقلۃ تکلف"

جہاں تک فصاحت لسانی اور بلاغت گفتار کا تعلق ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس میدان میں افضل ترین مقام کے مالک تھے' آپ کا مرتبہ فصاحت کسی سے پوشیدہ نہیں' طبیعت کی سلاست وروانی معانی پیدا کرنے کا کمال ' جامع ومختصر جملے' چمک دمک والے الفاظ' صحیح اور تکلف سے پاک کلام آپ کا امتیاز تھا۔"

اقتباسات کسی حد تک بات کو بوجھل بنانے کا سبب بن جاتے ہیں اس لئے صرف ایک اور اقتباس پر اکتفاء کرتے ہیں جو ڈاکٹر طہ حسین کے مقابلے پر تمام عمر ڈٹے رہنے والے عظیم مصری دانشور مصطفےٰ صادق الرافعی کا ہے' فرماتے ہیں(۲۶)!

" ومن کمال تلک النفس العظیمۃ و غلبۃ فکرہ صلی اللہ علیہ وسلم علی لسانہ' قل کلامہ وخرج قصدا الفاظہ محیطا بمعاینہ تحسب النفس قداجتمعت فی الجملۃ القصیرۃ وللکلمات امعدودۃ بکل معانیہا ' فلاتری من الکلام الفاظا ولکن حرکات نفسیۃ فی الفاظ 'ولہذا کثرت الکلمات التی انفرد بہادون العرب وکثرت جوامع کلمہ وخلص اسلوبہ فلم یقصر فی شئی ولم یبالغ فی شئی واتق لہ من ھذا الامر علی کمالہ الفصاحۃ والبلاغۃ ما لواراد مرید العجز عنہ ولو استطاع بعضہ لماتم لہ فی کلامہ لان مجری الاسلوب علی الطبع ' والطبع غالب مماتشد المرء وارقاض ومماتثبت وبالغ فی التخفظ۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم شخصیت کے کمال اور زبان پر سوچ کے غالب آنے کا نتیجہ یہ تھا کہ آپ کم گو ہوگئے تھے ۔ آپ کے الفاظ بڑے اعتدال سے ادا ہوتے تھے جو گفتار کے معانی پر محیط ہوتے تھے ۔ آپ کو یوں لگے گا کہ آپ کی شخصیت چھوٹے سے جملے اور چند کلمات

میں اپنے بھرپور معانی کے ساتھ مجتمع ہوگئی ہے' یوں کلام میں الفاظ نہیں بلکہ الفاظ میں شخصیت متحرک دکھائی دے گی۔ چنانچہ آپ کی گفتار میں ایسے منفرد کلمات ومحاورات بکثرت نظر آئیں گے جن میں آپ کے ساتھ کوئی اور عرب شریک نہیں ہے' آپ کے جوامع الکلم کی بھی کثرت ہے۔ آپ کا اسلوب خالص تھا اس لئے نہ تو کسی چیز کے اظہار میں آپ عاجز رہے اور نہ کسی بات میں مبالغہ آمیزی نظر آئی۔ اس سلسلے میں کمال فصاحت وبلاغت کے ساتھ آپ کی گفتار کو وہ ترتیب اور تنظیم میسر آئی جس کا قصد کرنے والا اسے پانے سے عاجز رہا اور اگر اس کا کچھ تھوڑا بہت کسی نے پابھی لیا تو بھی وہ کمال سے عاجز ہی رہے گا' کیونکہ اسلوب کا بچاؤ طبیعت وفطرت سے تعلق رکھتا ہے جو قابو میں آنے والی نہیں خواہ کوئی کتنی بھی مشقت وریاضت کرلے اور ثابت قدمی واستقامت میں خواہ کتنی ہی مبالغہ آمیزی اور غلو سے کام لیتا رہے۔"

بلاغت کے متعلق خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال بھی ہیں جن سے آپؐ کا اپنا نظریہ بلاغت مرتب ہو جاتا ہے۔ چنانچہ آپ کو لمبی چوڑی تقریر پسند نہ تھی آپ خود بھی مختصر خطبہ ارشاد فرماتے اور صحابہ کرامؓ رضی اللہ تعالیٰ کو بھی اس کا حکم دیتے۔ کاہنوں کا سا سجع وقافیہ آپ کو پسند نہ تھا' بات کا بتنگڑ بنانا اور تکلف سے باچھیں کھولنا بھی آپ کو ناپسند تھا۔

ایک مرتبہ کسی شخص نے آپ کے سامنے بڑی لمبی چوڑی تقریر کی اور تیزی اور چرب زبانی کی انتہا کر دی' آپ نے فرمایا "کم دون لسانک من حجاب" کہ تیری زبان کے سامنے کتنی رکاوٹیں ہیں؟ تو وہ بولا! مشفتا ی واسنانی ؟ کہ دو چیزیں رکاوٹ ہیں میرے دو ہونٹ اور میرے دانت! آپؐ کا مقصد یہ تھا کہ زبان انسان کے قابو میں رکھنے والی چیز ہے اسی لئے تو اللہ تعالیٰ نے انسان کو بتیس دانت دیئے ہیں جو زبان کو ادھر ادھر پھسلنے سے بچاتے ہیں۔ پھر دو ہونٹوں کا قفل ہے اگر لگ جائے تو زبان کی کیا مجال جو اپنا کسی قسم کا عملی مظاہرہ کر سکے' بظاہر آپ کا مخاطب بھی آپ کی بات کو سمجھ گیا تھا' اس لئے آپ نے اس سے کسی مزید وضاحت کے بغیر فرمایا(۲۷)!

' ان اللہ یکرہ انبعاق فی الکلام فنضر اللہ وجہ رجل اوجز فی کلامہ واقتصر علی حاجتہ"

۔ اللہ تعالیٰ کو بے لگام گفتگو ناپسند ہے' اللہ تعالیٰ اس شخص کو سرخ رو فرمائے جو گفتگو میں اختصار ایجاز سے کام لیتے ہوئے اپنی ضرورت بیان کرنے پر اکتفا کرتا ہے۔"

۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ۔ مختصر خطبہ ارشاد فرماتے تھے بلکہ اپنے صحابہ کرام

کو بھی اس کی تلقین فرماتے تھے۔ حضرت عمار بن یاسرؓ فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تقاریر میں اختصار سے کام لینے کا حکم دیا ہے۔ (۲۸)

رسول اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ "ابغضکم الی الثرثارون المتفیھقون" میرے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ ناپسندیدہ وہ لوگ ہیں جو زیادہ باتونی اور گلا پھاڑ کر باتیں کرتے ہیں (۲۹)۔ آپ سے یہ بھی منقول ہے کہ "ایای والتشادق!" بناوٹی انداز میں باچھیں کھول کر بولنے سے میں بچتا ہوں(۳۰)۔

بلاغت نبویؐ کے پس منظر کے طور پر دو باتیں خصوصیت سے یاد رکھنے کے قابل ہیں ۔ ایک تو یہ ہے کہ آپ قبیلہ قریش کی شاخ بنی ہاشم کے چشم وچراغ تھے' بنوزہرہ کا قبیلہ آپ کاننھیال تھا اور قبیلہ بنو سعد بن بکر میں آپ نے پرورش پائی تھی ۔ چنانچہ آپ فرمایا کرتے تھے "انا افصح العرب بیدانی من قریش ونشات فی بنی سعد بن بکر" اور آپ کے اس دعوی فصاحت پر کسی نے انگشت نمائی یا اعتراض کبھی نہ کیا تھا۔ اس لئے ان تمام عناصر نے آپ کی بلاغت لسانی کے لئے پس منظر کا کام دیا(۳۱) جو آپ کی معجزانہ بلاغت کا اصل راز تھا۔

ادبنی ربی فاحسن تادیبی" یعنی مجھے میرے رب نے ادب سکھایا ہے چنانچہ میری خوب خوب ادبی تربیت فرمائی ہے' حدیث نبوی کے بلاغی اعجاز کے ضمن میں یہی بنیادی نقطہ ہے جسے یاد رکھنا بے حد ضروری ہے' دوسری یاد رکھنے والی بات یہ ہے کہ بلیغ خطبا کے ضمن میں عرب کسی قسم کے عیب برداشت نہیں کرتے تھے' بلکہ خطباء کے عیوب کو بہت اچھا لتے تھے۔ حضرت موسی علیہ السلام کے متعلق فرعون بھی یہ بات کہنے سے باز نہ آیا تھا کہ لا یکاد یبین یعنی یہ تو اظہار بھی نہیں کر پا رہا(۳۲)! مگر رسول اللہؐ کے نکتہ چیں اور عیب جو دشمن تو بڑے سخت اور زبان دراز تھے مگر آپ کی خطیبانہ بلاغت پر نہ تو کبھی کسی کو زبان طعن دراز کرنے کا موقع ملا اور نہ کبھی کوئی ایسی بات دیکھنے اور سننے میں آئی ۔

اہل علم نے یہ نقطہ بڑی کثرت اور اظہار بیان کے تنوع کے ساتھ بیان کیا ہے کہ رسل وانبیا علیہم السلام کی بعثت کے ضمن میں اللہ کی حکمت وسنت یہ رہی ہے کہ ہر نبی کو اس کے ماحول اور اہل زمانہ کی روش کے عین مطابق معجزات عطا کئے جاتے رہے ہیں۔ موسوی عہد کے فراعنہ کے ہاں شعبدہ بازی اور جادو گری کے بڑے چرچے تھے چنانچہ عصائے موسوی اور ید بیضا کے

(بقیہ صفحہ ۶۴ پر)